سلیمان
پی۔ایچ۔ڈی (سکالر)
بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد

میر کا فلسفیانہ شعور

Among Urdu Classical writers, Mir Taqqi Mir., has an imminent stature. His poetry contains streaks of philosophical awareness. His way of observing, understanding and inferring is philosophical. He discerns the intricacies of life and the universe through his philosophical lenses and expresses the same through his ever fertile imagination. His philosophical approach is eclectic in nature. His poetry is a harmonious blend of Eastern and Western ideals. Although, Mir Couldn't achieve the status of a purely philosophical poet yet the philosophical gems- of metaphysics, ethics and aesthetics-sparking in his work are all too bright to be ignored. His greatness lies in the fact that he weaved the integrals of philosophy and Sufism in his poetry. This philosophical awareness is a treasured asset of his poetry.

خدائے سخن میر تقی میر (۱۷۲۲ء_۱۸۱۰ء) کا شمار اردو زبان کے عظیم شعرا میں ہوتا ہے۔ان کو گزرے ہوئے دو صدیاں بیت گئی ہیں مگر آج بھی ان کی عظمت کی شمع پوری آب وتاب کے ساتھ منور ہے۔ہر دور میں ان کی شاعری کا جادو سر چڑھ کر بول رہا ہے۔ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں اور تمام باکمال شعرا نے انھیں استادِ غزل تسلیم کیا ہے۔تغزل ان کی شاعری کا خاص وصف ہے تاہم ان کے کلام میں فلسفیانہ شعور کی زرخیزی اور جامعیت بھی موجود ہے۔ یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ میر معروف معنوں میں غالب (۱۷۹۷ء_۱۸۶۹ء) یا اقبال (۱۸۷۷ء_۱۹۳۸ء) کی طرح فلسفی شاعر نہیں ہیں؛ کیوں کہ شعور وادراک سے کہیں زیادہ ان کی شاعری میں احساس اور جذبے کا اثر حاوی ہے۔لیکن ان کا حاسۂ فکر اتنا مضبوط ہے کہ حقیقتِ مطلق، حیات و کائنات، جبر و قدر اور مابعد الطبیعاتی نوعیت کے دیگر فلسفیانہ تصورات کا گہرا شعور ان کے کلام میں بہ درجہ اتم موجود ہے۔ڈاکٹر عبادت بریلوی، لکھتے ہیں:

> ”میر کی غزلوں میں حیات وکائنات کے معاملات مسائل کی کمی نہیں ہے۔انھوں نے سب پر طبع آزمائی کی ہے۔ مابعد الطبیعاتی نکات، اخلاقی مسائل غرض زندگی کے ہر پہلو کی ترجمانی ان کے یہاں ملتی ہے۔“[1]

میرؔ تخیل کے ارفع ترین خلاقیت کے مالک رہے ہیں۔موضوع اور معروض، داخل اور خارج، روح اور مادہ، خیال اور تمثال ان کے تخلیقی عمل سے گزر کر ایک حیران کن وحدت کا روپ دھار لیتے ہیں۔[۲] یہی وجہ ہے ان کے شاعرانہ تصورات صرف تصورات نہیں بلکہ فلسفیانہ نظریات معلوم ہوتے ہیں۔ان کے کلام میں حکیمانہ اشعار کی کمی نہیں۔منطق اور فلسفہ میں ان کی خاص دلچسپی رہی ہے۔ان کی عظمت اور بڑے پن کے عناصر ترکیبی میں سے ایک عنصر ان کا فلسفیانہ شعور ہے۔ان کی شاعری میں علم فلسفہ کے بیشتر نظریات کی ترجمانی ملتی ہے۔ان کی برتری اس میں ہے کہ وہ ایک عظیم مفکر اور شاعر ہیں اور ان کا فکری نظام خالص فلسفیانہ نوعیت کا ہے۔ڈاکٹر خوشحال زیدی لکھتے ہیں:

"میرؔ کی شاعری کی فضا بڑی بسیط اور وسیع ہے جو من و تو کی تنگ فضاؤں سے باہر نکل کر کائنات کی وسعتوں تک لے جانے میں مدد دیتی ہے۔حیات و کائنات کا شعور بخشتی ہے اور کائنات کی بنیادی موضوعات تک ہمیں پہنچاتی ہے۔اس لیے تو میرؔ فلسفے کے رشتوں کے پارکھ ہیں۔"[۳]

ایلیٹک مکتبۂ فکر (Eleatic School of Thoughts) سے تعلق رکھنے والے یونانی فلاسفہ نے اس مادی دنیا کو عدمِ وجود (Non Being) کا نام دیا ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ یہ ایک فریب اور دھوکے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔اسی طرح عظیم فلسفی افلاطون (Plato) (۴۲۷ق م _ ۳۴۷ ق م) کا بھی یہ نظریہ ہے کہ آثار وحوادث کی اس دنیا میں ہر شے غیر یقینی ہے۔[۴] میرؔ بھی اس مادی دنیا کو محض ایک فریب اور دھوکا سمجھتے ہیں۔ان کے نزدیک اس مادی عالم کی اصلیت وحقیقت کچھ بھی نہیں ہے:

دھوکا ہے تمام بحرِ دنیا
دیکھے گا کہ ہونٹ تر نہ ہوگا[۵]

عالم کسو حکیم کا باندھا طلسم ہے
کچھ ہو تو اعتبار بھی ہو کائنات کا[۶]

کچھ نہیں بحرِ جہاں کی موج پر مت بھول میرؔ
دور سے دریا نظر آتا ہے لیکن ہے سراب[۷]

سیر کی ہم نے ہر کہیں پیارے
پھر جو دیکھا تو کچھ نہیں پیارے[۸]

بستہ وہم است نقش زندگی
ورنہ ہستی اعتبارے بیش نیست[۹]

(زندگی کا نقش وہم کا باندھا ہوا ہے ورنہ ہستی اعتبار سے زیادہ نہیں)

فلسفۂ تغیر (Philosophy of Change) کے بڑے علمبردار ہیراقلیتوس (Heraclitus) (۵۳۵ق م۔ ۴۷۵ ق م) اور ہنری برگساں (Henri Bergson) (۱۸۵۹ء۔ ۱۹۴۱ء) ہیں۔ اس فلسفہ کی رو سے صرف تغیر کو ثبات کا درجہ حاصل ہے اور یہی اصلی حقیقت ہے۔ میرؔ، ہیراقلیتوس کے اس نظریے کے قائل ہیں کہ کائنات میں کسی شے کو ثبات حاصل نہیں بلکہ ہر شے تغیر پزیر ہے۔ کائنات میں تغیر کا عمل جاری ہے ہر لحہ یہاں ایک نیا منظر دیکھنے کو ملتا ہے:

حالِ گلزار زمانہ کا ہے جیسے کہ شفق
رنگ کچھ اور ہی ہوجائے ہے اک آن کے بیچ[۱۰]

جہاں کتاب مصور، سپہر صورتِ خواں
زمانہ اے ست دگر چوں ورق بگر داند[۱۱]

(دنیا باتصویر کتاب ہے۔ آسمان صورت خواں ہے۔ انقلاب آجاتا ہے جیسے ہی ورق پلٹتا ہے)

آنیت بدھ ازم کا وہ نظریہ ہے جس کے مطابق ہر شے ہر لحہ بدلتی رہتی ہے۔ میرؔ بھی خود کو ہر لحہ تبدیل ہونے والا سمجھتے ہیں:

آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں
تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی[۱۲]

مشہور یونانی فلسفی پارمنڈیز (Parmanides) (پیدائش: ۵۱۴ق م) کے مطابق وقت ایک متغیر حقیقت کا نام ہے[(۱۳)]۔ میرؔ کا تصور زمان بھی یہی ہے۔ وہ زمان کو ہر لحہ حوادث کا تخلیق کنندہ سمجھتے ہیں۔ تخلیق کا یہ عمل ہر لحہ ارتقائی صورت میں جاری ہے:

ہوا رنگ بدلے ہے ہر آن میرؔ

زمیں و زماں ہر زماں اور ہے[۱۴]

جین ازم کے مطابق چراغ کی لو ہر لمحہ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ یکساں کبھی نہیں رہتی۔ روشنی کا تسلسل تو بہ ہر صورت قائم رہتا ہے مگر لو تبدیلی کی زد میں رہتی ہے۔ لو کی ایک صورت گم ہوتے ہی ایک نئی صورت نمودار ہوتی ہے۔ یہی فلسفیانہ نکتہ میؔر کے درج بالا شعر میں من وعن منظوم ہوا ہے۔

انکسی غورث(Anaxagoras)(۵۰۰ ق م _ ۴۲۸ ق م) کے نزدیک مادہ'' Cognative Abilaty'' کا حامل ہے یعنی مادہ تبدیل تو ہوسکتا ہے مگر فنا نہیں۔ میؔر کا بھی تقریباً یہی نظریہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مادی کائنات کی ہر شے صرف تبدیل ہوتی رہتی ہے مگر فنا نہیں ہوتی۔ کیوں کہ مادہ ناقابل فنا صفت سے متصف ہے۔ مادی کائنات کی ہر چیز کا حسن صرف قالب تبدیل کرتا ہے، فنا نہیں ہوتا:

گل یادگارِ چہرۂ خوباں ہے بے خبر

مرغِ چمن نشان ہے کسو بے زبان کا[۱۵]

سقراط(Socrates)(۴۷۰ق م_۳۹۹ق م) نے کہا تھا کہ عشق وسیع معنی میں'' خیر مطلق'' کا نام ہے۔[۱۶] خیر مطلق دراصل وہ ہستی بے مثال ہے جو فلسفے کی دنیا میں''Ultimate Ego'' کے نام سے موسوم ہے۔ میؔر کا نظریۂ عشق کسی حد تک سقراطی ہے۔ وہ عشق کو عین خدا تصور کرتے ہیں:

کیا حقیقت کہوں کہ کیا ہے عشق

حق شناسوں کا ہاں خدا ہے عشق[۱۷]

کچھ حقیقت نہ پوچھو کیا ہے عشق

حق اگر سمجھو تو خدا ہے عشق[۱۸]

میؔر کے خیال میں کائنات میں ہر سُو عشق ہی ہنگامہ آرا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان عشق کی اصلیت و ماہیت سمجھنے اور بیان کرنے سے قاصر ہے:

چار سُو ہنگامہ آرا عشق ہے

عشق کیا کہیے کہ کیا کیا عشق ہے[۱۹]

ظاہر باطن، اوّل آخر، پائیں بالا عشق ہیں سب نور و ظلمت،
معنی وصورت سب کچھ آپ ہوا ہے عشق[۲۰]

ملطہ فلاسفہ(Milesian Philosopers) حیات یا روح کو جوہر(Substance) سے منسوب کرتے ہیں۔اس بنیا پر طالیس(Thales) (۶۲۴ق م_۵۴۶ق م) کہتا ہے کہ خدا ہر شے میں موجود ہے یعنی مادے کی تمام تر صورتوں میں اس کا ظہور ہے[(۲۱)]۔ میرؔ مادے کے ہر ذرّے میں حقیقتِ مطلق کی جلوہ گری کے اقرار کا درس دیتے ہیں:

آیات حق ہیں سارے یہ ذرّاتِ کائنات
انکار تجھ کو ہوئے تو اقرار کیوں نہ ہو[۲۲]

ہوا طالع جہاں خورشید، دن ہے
تردد کیا ہے، ہستی میں خدا کی[۲۳]

ایونی فلاسفہ میں سے زینوفینیز(Xenophanes)(۵۷۵ق م_۴۸۰ق م) کا نظریۂ ارتقا یہ ہے کہ حقیقتِ مطلق دراصل حقیقتِ کلی(Total Reality) کا دوسرا نام ہے[(۲۴)]۔اس نظریے کی رو سے وجود خارجی ہر گز معتبر نہیں۔عالم مظاہر، حقیقتِ کلی کے ظلال ہیں، بالذات کچھ نہیں۔میرؔ نے اس فلسفیانہ تصور کو کچھ یوں موزوں کیا ہے:

ہر مظہرے کہ می نگرم عین ظاہر است
ہر گز نیامدم بہ نظر ما سوائے اُو[۲۵]

(ہر مظہر کہ میں دیکھتا ہوں عین ظاہر ہے۔میری نظر میں اس کے سوا ہرگز کوئی اور نہیں آیا)

محسوسات کی دنیا میں پائی جانے والی اشیا چاہے وہ قدرتی ہوں یا مصنوعی، یہ (Ideas)کے ظلال(Reflections) ہیں[(۲۶)]۔میرؔ اس کائنات کو ایک ایسا آئینہ خانہ سمجھتے ہیں جس میں تمام مظاہر عکس بن کر نظر آرہے ہیں۔مظاہرِ کائنات آئینۂ حقیقت کا یا تو عکس ہے یا خود آئینہ:

یہ دو ہی صورتیں ہیں، یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئینہ ہے، اسی یارِ خود نما کا[۲۷]

فلسفۂ عدمیت (Philosophy of Nihilism) کی رو سے کوئی بھی شے موجود نہیں اور اگر موجود ہے تو اس کے بارے میں انسانی علم کا ابلاغ ممکن نہیں اور اگر اتفاق سے اس شے کا علم ہمیں حاصل بھی ہو جائے تو ہم اسے مکمل صورت میں دوسروں کو منتقل نہیں کر سکتے (۲۸)۔ میؔر موجودات کے بارے میں اس نظریے کے حامی ہیں۔ وہ عالم مظاہر کے بارے میں اپنے گیان کا اظہار کچھ یوں کرتے ہیں:

یہی جانا کہ کچھ نہیں جانا ہائے

سو بھی اک عمر میں ہوا معلوم[۲۹]

فلاطینوس (Plotinus)(۲۶۹ق م_ ۲۰۴ق م) کے نزدیک عالم کثرت میں جتنی اشیا نظر آتی ہیں ان کا وجود محض فریب ہے۔ اصلی حقیقت واحد ہے۔ یہ واحد حقیقت مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتی ہے۔ جن سے عالم کثرت پیدا ہوتا ہے (۳۰)۔ میؔر بھی مظاہر عالم کی کثرت کا ماخذ حقیقتِ واحد ہی کو سمجھتے ہیں:

اگر چشم ہے تو وہی عین حق ہے

تعصب تجھے ہے عبس ما سوا سے[۳۱]

بالذات ہے جہاں میں وہ موجود ہر جگہ

ہے دید چشمہ دل کے کھلے عین ذات کا[۳۲]

میؔر وحدت سے کثرت اور پھر کثرت سے وحدت کے صدور و مراجعت کے قائل ہیں:

آگے عالم عین تھا اس کا اب، اب عین عالم ہے وہ

اس وحدت سے یہ کثرت ہے، یاں میرا سب گیان گیا[۳۳]

غلط کردم کہ وا بوسیدم از خود

نہ دانستم در ایں قالب خدا بود[۳۴]

(میں نے غلط کیا کہ خود سے روگردانی کی۔ یہ نہیں سمجھا کہ اس قالب میں خدا تھا۔)

حسن کے بارے میں فلاطینوس (Plotinus)(۲۶۹ق م_ ۲۰۴ق م) کا وجودی نظریہ یہ ہے کہ تمام کائنات میں حسنِ ازل ہی جلوہ افروز ہے۔ حسن خواہ کسی بھی روپ میں ہو، حسنِ ازل ہی کا عکس ہے (۳۵)۔ میؔر بھی کائنات کو

ذاتِ مطلق کے حسن کا مظہر سمجھتے ہیں۔ ان کے خیال میں کائنات کے ذرّے ذرّے میں ذاتِ مطلق کا حسن جلوہ گر ہے:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرّہ ظہور تھا[۳۶]
جلوہ ہے اسی کا سب گلشن میں زمانے کے
گل پھول کو ہے ان نے پردہ سا بنا رکھا[۳۷]

مشہور فلسفی تھامس ایکوی ناس (Thomas Aquinas) (۱۲۲۷ء۔ ۱۲۷۴ء) اس تصور کا حامی ہے کہ کائنات کی ہر چیز میں ایک حسن نظر آتا ہے اور تمام حسن کا سرچشمہ خدا ہے۔ میؔر کے ہاں حسن کا یہی نظریہ موجود ہے:

دیا دکھائی مجھے تو اسی کا جلوہ میؔر
پڑی جہاں میں جا کر نظر جہاں میری[۳۸]

مشہور و معروف فلسفی برکلے (George Berkely) (۱۷۴۹ء۔ ۱۸۰۹ء) کا کہنا ہے کہ چیزوں کا کوئی مادی وجود نہیں ہے بلکہ ان کے بارے میں صرف تصورات ہیں۔ وہ کسی ایسی شے کو تسلیم نہیں کرتا جو انسانی تجربے سے ماورا ہو۔ وہ مادی اشیا کا وجود تجربے کے دائرے سے باہر سمجھتا ہے اور اس بنیاد پر اس کے وجود سے انکاری ہے (۳۹)۔ اس نظریے کا سیدھا سادہ مطلب یہ ہے کہ مادی کائنات حقیقی نہیں بلکہ خیالی اور تصوراتی ہے۔ محض ذہنی تصور ہے۔ میؔر بھی اس نظریے کی تائید کرتے ہوئے اپنے وجود کے اعتبار محض ہونے کا اقرار کچھ یوں کرتے ہیں:

مشہور ہیں عالم میں تو کیا ہیں بھی کہیں ہم
القصہ نہ درپے ہو ہمارے کہ نہیں ہم[۴۰]

میؔر کی شاعری میں فلسفہ انسان دوستی (Huminisim) کے عناصر موجود ہیں۔ وہ انسانی عظمت کے عناصر یعنی پیار، اخلاص، خدمت اور دیانت کے قائل ہیں۔ زندگی کے ہر شعبے میں انھوں نے انسان کو عظیم تصور کیا ہے۔ ان کے خیال میں دنیا کا نظام انسان کے وجود سے ہی قائم ہے:

آدم خاکی سے عالم کو جلا ہے ورنہ

آئینہ تھا یہ ولے قابلِ دیدار نہ تھا[۴۱]

میؔر کے تصورات کا مرکز انسان رہا ہے انسان میں اگر چہ بہت سی خامیاں اور کمزوریاں موجود ہیں تاہم دیگر مخلوقات کے برعکس نائبِ خدا بننے کا شرف صرف انسان کو حاصل ہوا ہے:

سب پہ جس بار نے گرانی کی

اسے یہ ناتواں اُٹھا لایا[۴۲]

شوپن ہار(Arther Shopenhauer)(۱۷۸۸ء_ ۱۸۶۰ء) جو قنوطیت کا بانی سمجھا جاتا ہے، کا نظریہ یہ ہے کہ انسان ساری عمر خواہشوں کے لا متناہی سمندر میں غوطے لگا تا رہتا ہے۔ خواہشات کی تکمیل ہی نے انسان کو مسلسل اضطراب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ اگر ایک خواہش پوری ہوتی ہے تو دوسری خواہش جنم لیتی ہے۔ میؔر کا بھی یہی نظریہ ہے کہ بندۂ خواہشات بن کر انسان اپنی اصلیت کو فراموش کر بیٹھتا ہے:

سراپا آرزو ہونے نے بندہ کردیا ہم کو

وگرنہ ہم خدا تھے گر دلِ بے مدعا ہوتے[۴۳]

قنوطیت (Pessimism) زندگی کے ایک ایسے رویے کا نام ہے جو ہر شے کو تاریک، مایوس کن اور اور تخریبی دیکھتا ہے(۴۴)۔ اس نظریے کا بھرپور اظہار مشہور و معروف فلسفی شوپن ہار کے یہاں ملتا ہے۔ جو اس دنیا کو بدترین جگہ کہنے کے ساتھ ساتھ زندگی کو مصیبتوں کا گھر تسلیم کرتا ہے۔ میؔر بھی شوپن ہار کی طرح قنوطیت پسند ہیں۔ زندگی اور دنیا کے بارے میں میؔر کا رویہ قنوطی ہے:

یہ عیش گاہ نہیں ہے یاں رنگ کچھ اور ہے

ہر گل ہے اس چمن میں ساغر بھرا لہو کا[۴۵]

بزم برہم ذرّۂ عالم امکاں دیدم

تا چہ گوئم کہ عجب خواب پریشاں دیدم[۴۶]

(میں نے عالم امکاں کی برہم ہوئی بزم کو دیکھا۔ کہاں تک کہوں کہ عجب خواب پریشاں دیکھا)

ثباتِ من نہ بود یک نفس زوں تر میؔر

در ایں محیط چہشد، چوں حباب می گردم[۴۷]

(میرؔ! اثبات ایک نفس سے بھی زیادہ نہیں ہوسکتا اس بحر میں کیا ہوا جو حباب کی طرح پھرتا ہوں)

جن بلاؤں کو میرؔ سنتے تھے

ان کو اس روزگار میں دیکھا[۴۸]

جگر چاکی، ناکامی، دنیا ہے آخر

نہیں آئے جو، کچھ کام ہوگا[۴۹]

فطرت کے بارے میں میرؔ کا رویہ تفکر (Contemplation) والا ہے۔ وہ کائنات کو سرسری نظر سے دیکھنے کے قائل نہیں ہیں۔ وہ اس کی وسعت اور اصلیت پر غور وفکر کرنے کا درس دیتے ہیں:

سرسری تم جہاں سے گزرے

ورنہ ہر جا جہانِ دیگر تھا[۵۰]

فطرت کا بہ غور مشاہدہ کرنا استقرائی منطق (Inductive Logic) کی بنیاد ہے۔[۵۱] کیوں کہ اس علم کی بنیاد پر قوانین بنتے ہیں۔ میرؔ اپنے مذکورہ بالا شعر میں استقرائی منطق کے مشاہدے کے قائل نظر آتے ہیں۔

میرؔ کا مشاہدہ نہایت وسیع ہے۔ تاہم ان کا تصورِ مکاں صرف تنگیٔ ذات کو محیط ہے (۵۲)۔ مگر اس کے باوجود وہ کائنات کی وسعتوں کا ادراک رکھتے ہیں۔ یہ ادراک ان کے یہاں ناقابلِ عبور فاصلوں کی صورت میں ابھر کر سامنے آتا ہے:

میں پا شکستہ جا نہ سکا قافلے تلک

آئی اگر چہ دیر صدائے جرس رہی[۵۳]

میرؔ ایک آزاد فلسفی کی طرح حیات کو مسلسل سفر مانتے ہیں۔ ایک ایسا سفر جو ازل سے جاری ہے:

نشمری سہل ز غیب ایں بہ شہود آمدہ را

رہ بسے طے شدہ باشد بہ وجود آمدہ را[۵۴]

(غیب سے اس شہود میں آئے ہوئے کو سہل مت جانو۔ وجود میں آئے ہوئے نے بہت راہ طے کی ہوگی)

میؔر سفرِ حیات میں موت کو صرف ایک قلیل وقفہٴ تصور کرتے ہیں:

مرگ ایک ماندگی کا وقفہ ہے
یعنی آگے چلیں گے دم لے کر[۵۵]

کبھی کبھی میؔر زندگی کو موت اور موت کو زندگی تصور کرنے لگتے ہیں۔ اُن کا یہ انداز فلسفے کے دائرے میں آتا ہے۔ وہ اس حقیقت کو نہ صرف تسلیم کرتے ہیں بلکہ ثابت بھی کرتے ہیں کہ موت ہی زندگی کی سب سے بڑی حقیقت ہے:

اس منزلِ جہاں کے باشندے رفتنی ہیں
ہر اک کے یاں سفر کا سامان ہو رہا ہے[۵۶]

صوفی ازم (Sufism) کے مکتبہٴ فکر سے تعلق رکھنے والوں کا یہ نظریہ ہے کہ جذبہٴ ظہور شوق تخلیق عالم کا سبب ہے۔ یہ کائنات شوقِ ظہورِ خداوندی کا نتیجہ ہے۔ علاوہ ازیں رومانیت پسند فلاسفہ کا نظریہ ہے کہ مطلق حقیقت کی ماہیت رومانی ہے نہ کہ مادی اور یہ مطلق حقیقت اظہار چاہتی ہے۔ چناں چہ کائنات کی ہر شے اس کے ظہور کا مظہر ہے۔ میؔر نے ان دونوں نظریات کی ترجمانی کچھ یوں کی ہے:

لایا ہے مرا شوق مجھے پردے سے باہر
میں ورنہ وہی خلوتی رازِ نہاں ہوں[۵۷]

میؔر کا خیال ہے کہ تجسسِ حق محض ایک فریب نفس ہے۔ جو خود حجاب حقیقت بن کر ہمیں حقیقت سے محروم کرتا ہے۔ ورنہ حقیقت ہر وقت ہمارے ساتھ ہے:

ہر قدم پر تھی اس کی منزل ایک
سر سے سودائے جستجو نہ گیا[۵۸]

جبر و قدر کا مسئلہ علم اخلاقیات کا نہایت وقیع مسئلہ ہے۔ اخلاقیات کی بحث اس وقت تک شروع نہیں ہو سکتی جب تک یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ انسان پر اس کے اعمال کی ذمہ داری کس حد تک ہے۔ جبر و قدر کے حوالے سے میؔر جس راہ پر گامزن ہیں وہ جبریوں کا راستہ ہے۔ میؔر انسان کو مجبور و مقہور سمجھتے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ انسانی تقدیر کا پہلے سے تعین ہو چکا ہے اور اب اس میں ردّ و بدل کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ پس انسان لازمی جبریت کا شکار ہے:

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کا
چاہے ہیں سو آپ کرے ہیں ہم کو عبث بدنام کیا[۵۹]

آں سیہ کاسہ است چرخ کہ میرؔ
غیر خونے نہ خورد مہمانش[۶۰]

(آسمان وہ بخیل ہے کہ اس کا مہمان خود کے علاوہ کچھ نہیں بنتا)

میرؔ کے نزدیک یہ عالمِ امکاں اپنی تخلیق سے پہلے ذاتِ مطلق کا حصہ تھا۔ اس ذاتِ مطلق نے اس پر اپنا عکس ڈال کر اسے الگ شناخت عطا کی۔ اس طرح مادہ اور ذاتِ حق کے درمیان صرف ایک باریک پردہ ہے جو یقین کا پردہ ہے:

جسم خاکی کا جہاں پردہ اُٹھا
ہم ہوئے وہ میرؔ، وہ سب ہم ہوا[۶۱]

وجودی فلاسفہ نے المیہ کو زندگی اور زندگی کو عین المیہ قرار دیا ہے۔ اس تناظر میں میرؔ کی شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اُن کے یہاں انسانی زندگی کے المیہ کی تمام امکانی صورتوں کا اظہار ملتا ہے۔ ان کی شاعری میں انسانی زندگی میں موجود آہ، فغاں، قلق، اضطراب، رنج، غم، سوز، ذم وغیرہ جیسی اصطلاحات موجود ہیں۔ وہ دنیا کو ماتم خانہ قرار دے کر اس پر آنسو بہانے کی خواہش کرتے ہیں:

دیکھا ماتم خانۂ عالم کو ہم، مانند ابر
ہر جگہ پر جی میں یوں آیا، دمادم روئیے[۶۲]

مارٹن ہائیڈ یگر (Martin Heidegger) (۱۸۸۹ء۔۱۹۷۶ء) کے تصورِ وجودیت کے مطابق ہبوطِ ہستی (Bieng-Fallen) سے مراد یہ ہے کہ موجود کو دنیا میں پھینک دیا گیا ہے اور وہ بہ حیثیت موجود دردنیا اپنے وجود کو برقرار رکھنے کی جدو جہد میں مصروف ہے۔[۶۳] وجود کو دنیا میں اطمینان میسر نہیں ہے۔ جس کے نتیجے میں کرب جنم لیتا ہے۔ میرؔ بھی اس وجودی کرب کا ادراک رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کرب کی بنیادی وجہ اسودگی کی عدم دستیابی ہے:

ہو جہاں میرؔ اور غم اس کا
جس سے عالم کی جاں پر آئی ہے[۶۴]

نہ پوچھو کہ احوال ناگفتہ بہ ہے
مصیبت کا مارے ہوئے دل کا اپنے[۶۵]

میؔر کو فطرت کے تمام مظاہر میں اپنی ہی تصویر نظر آتی ہے چناں چہ وہ اکثر فطرت کے استعارے میں اپنی ہی تصویر پیش کر جاتے ہیں اور کبھی کبھی تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ فطرت میؔر کا راز دار اور ہمدم ہے:

خوب ہی اے ابر! اک شب آؤ باہم روئیے
پر نہ اتنا بھی کہ ڈوبے شہر، کم کم روئیے[۶۶]

قدیم ماہرینِ کونیات کے نظریے کے مطابق زمین پر موجودات افلاک کی گردش سے وجود میں آتے ہیں۔ گویا افلاک کی حرکت تخلیقی نوعیت کی حامل ہے۔ اس حرکت کے نتائج زمین پر ظاہر ہوتے ہیں۔ میؔر بھی انسان کو فلک کی تخلیقی گردش کا حاصل سمجھتے ہیں:

مت سہل ہمیں جانو، پھرتا ہے فلک برسوں
تب خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں (۶۷)

میؔر کلاسیکی شعراء میں وہ اعلیٰ مقام شاعر گزرے ہیں جن کی شاعری میں فلسفیانہ شعور کی عکاسی موجود ہے۔ ان کے دیکھنے، سمجھنے اور نتائج اخذ کرنے کا انداز فلسفیانہ ہے۔ وہ حیات و کائنات کے مسائل کو ایک فلسفی کی نظر سے دیکھتے اور دکھاتے ہیں۔ ان کا فلسفیانہ شعور ارتباطی نوعیت کا ہے۔ مشرق و مغرب کے فلاسفہ کے مختلف نظریات لاشعوری طور پر ان کی شاعری کا حصہ بنے ہیں۔ ایک خالص اور مکمل فلسفی کی طرح میؔر کے کلام میں فلسفیانہ منہاج تو نہیں ملتا لیکن مابعد الطبیعیات، اخلاقیات اور جمالیات کے فکری مسائل کے بعض اجزاء ان کی شاعری میں بکھرے پڑے ہیں۔ ان کا کمال یہ ہے کہ انھوں نے فلسفے اور صوفی ازم کے اہم نظریات اور رجحانات کو شعری جذبے کا جامہ پہنا کر پیش کیا ہے۔ یہی فلسفیانہ شعور ان کی شاعری کا ایک قیمتی اثاثہ ہے۔

حوالہ جات

۱۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، میر تقی میؔر، ادارۂ ادب و تنقید، لاہور، ۱۹۸۰ء، ص ۱۵۰

۲۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر/ عزیز ابن الحسن، ڈاکٹر (مرتبین) میر تقی میؔر، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۲۰۱۰ء، ص ۱۲

۳۔ خوشحال زیدی، ڈاکٹر، میر تقی میر: شخصیت اور فن، بزم خضر راہ، نئی دہلی، ۱۹۹۵ء، ص ۱۶۳

۴۔ اصلاحی،آمین احسن،، فلسفے کے بنیادی مسائل، فاران بک فاؤنڈیشن، لاہور،۱۹۹۷ء،ص ۲۳

۵۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۱۲۵

۶۔ ایضاً،ص ۶۶۰

۷۔ ایضاً،ص ۱۶۷

۸۔ ایضاً،ص ۵۰۲

۹۔ میرؔ،میر تقی، دیـوانِ میــرؔ (فارسی)،مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید،اوکسفر ڈ یونیورسٹی پریس،کراچی،۲۰۱۳ء، ص ۹۲

۱۰۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۱۷۲

۱۱۔ میرؔ،میر تقی،دیــوانِ میـــرؔ (فارسی)،مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید،اوکسفر ڈ یونیورسٹی پریس،کراچی،۲۰۱۳ء، ص ۲۰۰

۱۲۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۲۸۲

۱۳۔ سٹیس ۔ڈبلیو۔ٹی،یونانی فلسفہ،مترجمہ: جاوید نواز،مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۱۵ء،ص ۴۰

۱۴۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۸۹۰

۱۵۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میر،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی،۱۹۵۸ء،ص ۱۵۹

۱۶۔ افلاطون،مکالماتِ افلاطون،مترجمہ: ڈاکٹر سید عابد حسین،تخلیقات، لاہور،۲۰۰۰ء،ص ۱۶

۱۷۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۵۸۹

۱۸۔ میرؔ،میر تقی،مثنویاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر سر شاہ محمد سلیمان، نظامی پریس، بدایون،۱۹۳۰ء،ص ۴۷

۱۹۔ ایضاً،ص ۱۱۲۸

۲۰۔ میرؔ،میر تقی، کلیاتِ میرؔ،مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی،اردو دنیا،کراچی، ۱۹۵۸ء،ص ۸۷

۲۱۔ قیصر الاسلام،قاضی،تاریخِ فلسفۂ مغرب،جلد: اوّل،نیشنل بک فاؤنڈیشن،اسلام آباد،۲۰۱۵ء،ص ۳

۲۲۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵۷

۲۳۔ ایضاً، ص ۸۹۶

۲۴۔ قیصر الاسلام، قاضی، تاریخِ فلسفۂ مغرب، جلد: اوّل نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۹

۲۵۔ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میرؔ (فارسی)، مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۳۶۰

۲۶۔ افلاطون، شعریات، مترجمہ: شمس الرحمان فاروقی، قومی کونسل برائے فروغِ اُردو زبان، نئی دہلی، ۱۹۹۸ء، ص ۱۹

۲۷۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۶۵۹

۲۸۔ قیصر الاسلام، قاضی، تاریخِ فلسفۂ مغرب، جلد: اوّل نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۵ء، ص ۵۰

۲۹۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۴۴۶

۳۰۔ ظفر حسن، ڈاکٹر، سرسید اور حالی کا نظریۂ فطرت، ادارۂ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۵

۳۱۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۲۸۸

۳۲۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میر، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۳۵۳

۳۳۔ ایضاً، ص ۷۴۷

۳۴۔ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میرؔ (فارسی)، مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۵۲

۳۵۔ جلال پوری، علی عباس، خردنامۂ جلال پوری، تخلیقات، لاہور، ۲۰۱۳ء، ص ۱۱۹

۳۶۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۰۳

۳۷۔ ایضاً، ص ۱۶۳

۳۸۔ ایضاً، ص ۲۸۲

۳۹۔ لغاری، اکبر، فلسفے کی مختصر تاریخ، مثال پبلشرز، فیصل آباد، ۲۰۱۳ء، ص ۸۵

۴۰۔ خواجہ احمد فاروقی، ڈاکٹر، میر تقی میرؔ: حیات اور شاعری، انجمن ترقی اُردو، علی گڑھ، ۱۹۵۴ء، ص ۴۰۹

۴۱۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۵۱

۴۲۔ ایضاً، ص ۱۴۰

۴۳۔ ایضاً، ص ۲۹۰

۴۴۔ سی اے قادر، پروفیسر/ رانا، اکرام، کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۳۲

۴۵۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۴۳

۴۶۔ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میرؔ (فارسی)، مرتبہ ومترجمہ افضال احمد سید، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۳۰۹

۴۷۔ ایضاً، ص ۳۰۶

۴۸۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۲۳

۴۹۔ ایضاً ۱۳۸

۵۰۔ ایضاً، ص ۱۵۰

۵۱۔ سی اے قادر، پروفیسر/ رانا، اکرام، کشاف اصطلاحاتِ فلسفہ، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۳۲۰

۵۲۔ اسلم انصاری، ڈاکٹر، اردو شاعری میں المیۂ تصورات، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص ۱۰۷

۵۳۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۲۸۲

۵۴ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میرؔ (فارسی)، مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۵۳

۵۵۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۱۸۶

۵۶۔ ایضاً، ص ۲۹۴

۵۷۔ ایضاً،ص ۲۲۶

۵۸۔ ایضاً،ص ۱۲۲

۵۹۔ ایضاً،ص ۱۰۵

۶۰۔ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میرؔ (فارسی)، مرتبہ ومترجمہ: افضال احمد سید، اوکسفرڈ یونیورسٹی پریس، کراچی، ۲۰۱۳ء، ص ۲۴۴

۶۱۔ میرؔ، میر تقی، دیوانِ میر، مرتبہ: ڈاکٹر اکبر حیدری، ڈے لائٹ پرنٹنگ پریس، دہلی، ۱۹۷۳ء، ص ۷

۶۲۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۲۹۹

۶۳۔ افتخار بیگ، ڈاکٹر، وجودیت اور اردو شعری طرز اظہار، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۶ء، ص ۵۶، ۵۷

۶۴۔ میرؔ، میر تقی، کلیاتِ میرؔ، مرتبہ: ڈاکٹر عبادت بریلوی، اردو دنیا، کراچی، ۱۹۵۸ء، ص ۲۵۱

۶۵۔ ایضاً،ص ۳۲۲

۶۶۔ ایضاً،ص ۲۹۹

۶۷۔ ایضاً،ص ۲۱۸